اسلام کی پکار، اتحادِ اُمت

مفتی محمد شفیعؒ

امت اسلامیہ ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے۔ یہ بات اپنی جگہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے، مگر ہمارے حالات و واقعات، دنیا کو اس کے خلاف یہ دکھلا رہے ہیں کہ یہ امت ایک "ناقابل اجتماع تشتت" ہے۔ اپنے حالات اور خصوصیات وقت سے صرف نظر کر کے، مسئلہ کے دلائل پر بحث ایک نرا فلسفہ ہے، جس سے ہماری کوئی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ اس لیے مجھے اس مسئلہ کے مثبت پہلو پر کچھ کلام کرنے سے زیادہ اس کے منفی پہلو افتراق و تشتت، اور اس کے اسباب پر غور اور اس کے علاج کی فکر کرنا ہے۔

جہاں تک اسلام کی دعوت اتحاد، اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو، بلکہ کل انسانوں کو، ایک قوم، ایک خاندان، ایک برادری، قرار دینے کا معاملہ ہے، وہ کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی مسلمان پر مخفی ہو۔ قرآن کریم کے واضح الفاظ، خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ میں تمام ابنائے آدم اور بنی نوع انسان کو، اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ میں مسلمانوں کو ایک برادری قرار دیا گیا۔ مگر اب یہ ایک عقیدہ اور نظریہ ہے جو زبانوں پر جاری اور کتابوں میں لکھا ہوا ہے، لیکن جب اپنے گرد و پیش ہی نہیں بلکہ مشرق و مغرب کے انسانوں کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو اس کے برعکس یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ ملت ایک تفرقہ ہے، جس میں اجتماع کا امکان دور دور نہیں۔ وہ ملت جس نے دنیا کے تمام انسانوں کو ایک خدا کی اطاعت پر جمع کر کے ایک برادری بنانے کی دعوت دی تھی: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (النساء ۴: ۱) لوگو، اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔ آج وہ ملت طرح طرح کے تفرقوں میں مبتلا، ایک دوسرے سے بیزار اور برسرپیکار نظر آتی ہے۔ اس میں سیاسی پارٹیوں کے جھگڑے، برادریوں کی تفریق، پیشوں اور کاروبار کی تقسیم، امیر غریب کے تفرقہ کی بنیاد منافرت تھی ہی، زیادہ افسوس اس کا ہے کہ خدا پرستی اور دین بھی آج ہمارے لیے جنگ و جدل اور عداوتوں اور جھگڑوں کا ذریعہ بن گیا۔ اس نے پوری ملت کو دینی و دنیوی ہر اعتبار سے ہلاکت کے غار میں دھکیل دیا اور اس سے بچنے کا کوئی علاج نظر نہیں آ رہا۔ ہماری ہر تنظیم تفریق اور ہر اجتماع،

افتراق کا سامان بہم پہنچاتا ہے ۔

یہی وہ روگ ہے جس نے ملت اسلامیہ کو اس عظیم الشان عددی اکثریت کے باوجود پسماندہ بنایا ہوا ہے ۔

ہر قوم ہمیں اپنے میں جذب کرنے کی طمع رکھتی ہے ۔ مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ پر عقائد سے لے کر اعمال و اخلاق تک ' ثقافت و معاشرت سے لے کر معاملات و اقتصادیات تک ' ہر قوم کی یلغار ہے ۔ ایک طرف حکومت و اقتدار اور اقتصادیات و تجارت میں ان پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے ' تو دوسری طرف ملحدانہ تلبیسات کے ذریعہ ان کے عقائد و نظریات کو متزلزل اور ان کی خدا پرستی کے اصول کو نئی تعلیم و تہذیب اور خیر خواہی اور ہمدردی کے عنوان سے ہوا پرستی میں تبدیل کیا جا رہا ہے ۔ ہمارے عوام انگریز کے ڈیڑھ سو سالہ اقتدار میں مختلف تدبیروں کے ذریعہ علم دین سے محروم اور حقائق سے ناآشنا کر دیے گئے ' اب گھر کی دولت علم و فکر گنوا کر جو کچھ دوسروں کی طرف سے آتا ہے ' اسی کو سرمایہ سعادت سمجھنے لگے ' خصوصاً جبکہ اس تعلیم و تہذیب کے سایہ میں نفس کی بے لگام خواہشات اور عیش و عشرت کا میدان بھی کھلا نظر آتا ہے ۔ ہمارے علما اور اہل فکر و نظر ' اپنے جزوی اور فروعی اختلافات اور بہت سے غیر ضروری مسائل میں ایسے الجھ گئے کہ ان کو اسلام کی سرحدوں پر ہونے والی یلغار کی گویا خبر ہی نہیں ۔

مرض کے اسباب

سب سے پہلے میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ نظری مسائل میں آرا کا اختلاف نہ مضر ہے ' نہ اس کے مٹانے کی ضرورت ہے اور نہ مٹایا جا سکتا ہے ۔ اختلاف رائے نہ وحدت اسلامی کے منافی ہے ' نہ کسی کے لیے مضر ۔ اختلاف رائے ایک فطری اور طبعی امر ہے ' جس سے نہ کبھی انسانوں کا کوئی گروہ خالی رہا ' نہ رہ سکتا ہے ۔ کسی جماعت میں ہر کام اور ہر بات میں مکمل اتفاق رائے صرف دو صورتوں میں ہو سکتا ہے ۔ ایک ' یہ کہ ان میں کوئی سوجھ بوجھ والا انسان نہ ہو جو معاملہ پر غور کر کے کوئی رائے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو ۔ اس لیے ایسے مجمع میں ایک شخص کوئی بات کہہ دے تو دوسرے سب اس پر اس لیے اتفاق کر سکتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی رائے اور بصیرت ہی نہیں ۔ دوسرے ' اس صورت میں مکمل اتفاق رائے ہو سکتا ہے کہ مجمع کے لوگ ضمیر فروش اور خائن ہوں کہ ایک بات کو غلط اور مضر جانتے ہوئے محض دوسروں کی رعایت سے اختلاف کا اظہار نہ کریں ۔

جہاں عقل بھی ہو اور دیانت بھی ' یہ ممکن نہیں کہ ان میں اختلاف رائے نہ ہو ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف رائے عقل و دیانت سے پیدا ہوتا ہے ' اس لیے اس کو اپنی ذات کے اعتبار سے مذموم نہیں کہا جا سکتا ۔ اگر حالات و معاملات کا صحیح جائزہ لیا جائے ' اختلاف رائے اگر اپنی حدود کے اندر رہے تو

کبھی کسی قوم و جماعت کے لیے مضر نہیں ہوتا، بلکہ بہت سے مفید نتائج پیدا کرتا ہے۔ اسلام میں مشورہ کی تکریم اور تاکید فرمانے کا یہی منشا ہے کہ معاملہ کے متعلق مختلف پہلو اور مختلف آرا سامنے آجائیں تو فیصلہ بصیرت کے ساتھ کیا جاسکے۔ اگر اختلاف رائے مذموم سمجھا جائے تو مشورہ کا فائدہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

صحابہؓ و تابعینؒ میں اختلاف رائے کا درجہ

انتظامی اور تجرباتی امور میں تو اختلاف رائے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں آپؐ کی مجلس میں بھی ہوتا رہا۔ خلفائے راشدینؓ اور عام صحابہ کرامؓ کے عہد میں، امور انتظامیہ کے علاوہ، جب نئے نئے حوادث اور شرعی مسائل پیش آئے، جن کا قرآن و حدیث میں صراحتاً ذکر نہ تھا، یا قرآن کی ایک آیت کا دوسری آیت سے، یا ایک حدیث کا دوسری حدیث سے بظاہر تعارض نظر آیا اور ان کو قرآن و سنت کی نصوص میں غور کر کے تعارض کو رفع کرنے اور شرعی مسائل کے استخراج میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لینا پڑا، تو ان میں اختلاف رائے ہوا، جس کا ہونا عقل و دیانت کی بنا پر ناگزیر تھا۔

اذان اور نماز جیسی عبادتیں، جو دن میں پانچ مرتبہ میناروں [سے بلند] اور مسجدوں میں ادا کی جاتی ہیں، ان کی بھی جزوی کیفیات میں اس مقدس گروہ کے افراد کا خاصا اختلاف نظر آتا ہے، اور اس اختلاف رائے پر باہمی بحث و مباحثہ میں بھی کوئی کمی نظر نہیں آتی۔

ایسے ہی غیر منصوص یا مبہم معاملات حلال و حرام جائز و ناجائز میں بھی، صحابہ کرامؓ کی آرا کا اختلاف کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ پھر صحابہ کرامؓ کے شاگرد حضرات تابعین کا یہ عمل بھی ہر اہل علم کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی جماعت کسی صحابی کی رائے کو اختیار کر لیتی تھی، اور کوئی ان کے بالمقابل دوسری جماعت دوسرے صحابی کی رائے پر عمل کرتی تھی، لیکن صحابہ و تابعین کے اس پورے خیر القرون میں اور اس کے بعد، آئمہ مجتہدین اور ان کے پیروؤں میں کہیں ایک واقعہ بھی اس کا سننے میں نہیں آیا، کہ ایک دوسرے کو گمراہ یا فاسق کہتے ہوں، یا کوئی مخالف فرقہ اور گروہ سمجھ کر ایک دوسرے کے پیچھے اقتدا کرنے سے روکتے ہوں، یا کوئی مسجد میں آنے والا لوگوں سے یہ پوچھ رہا ہو کہ یہاں کے امام اور مقتدیوں کا اذان و اقامت کے صیغوں میں، قرات فاتحہ اور رفع یدین وغیرہ میں کیا مسلک ہے؟ ان اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے کے خلاف جنگ و جدل، یا سب و شتم، توہین، استہزا اور فقرہ بازی کا تو ان زمانوں میں کوئی تصور ہی نہ تھا۔

امام ابن عبدالبر قرطبیؒ نے اپنی کتاب "جامع بیان العلم" میں سلف کے باہمی اختلافات کا حال یوں بیان کیا ہے۔ یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اہل فتویٰ فتوے دیتے رہے۔ ایک شخص غیر منصوص احکام میں ایک چیز کو حلال قرار دیتا اور دوسرا اسے حرام کہتا، مگر نہ حرام کہنے والا یہ سمجھتا کہ

جس نے حلال ہونے کا فتویٰ دیا ہے وہ ہلاک اور گمراہ ہو گیا، اور نہ حلال کہنے والا یہ سمجھتا کہ حرام کا فتویٰ دینے والا ہلاک یا گمراہ ہو گیا۔ اسی کتاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے فقیہ مدینہ حضرت قاسم بن محمدؒ سے ایک مختلف فیہ مسئلہ کے متعلق دریافت کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ ان دونوں آرا میں سے آپ جس پر عمل کر لیں، کافی ہے، کیونکہ دونوں طرف صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کا اسوہ موجود ہے"۔

ایک شبہ کا جواب

یہاں اصول دین اور اسباب اختلاف سے ناواقف لوگوں کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شریعت اسلام میں ایک چیز حلال بھی ہو اور حرام بھی ہو، اور جائز بھی ہو، ناجائز بھی ہو۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے ایک غلط اور ایک صحیح ہو گی۔ پھر دونوں جانب کا یکساں احترام کیسے باقی رہ سکتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ کلام، مطلق حلال و حرام اور جائز و ناجائز میں نہیں۔ کیونکہ قرآن و سنت کے منصوصات اور تصریحات کے اعتبار سے کچھ چیزیں واضح طور پر حرام ہیں، جیسے سود، شراب، جوا، رشوت وغیرہ، ان میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں اور نہ سلف صالحین کا ان میں کہیں اختلاف ہو سکتا تھا، اور ان میں اختلاف کرنا تو دین کے بینات اور واضح نصوص کا انکار کرنا ہے جو بہ اتفاق امت گمراہی اور الحاد ہے، اور جو ایسا کرے اس سے بیزاری اور برات کا اعلان کرنا عین تقاضائے ایمان ہے۔ اس میں رواداری ممنوع ہے۔

یہ رواداری کی تلقین اور اختلاف رائے کے باوجود اپنے مخالف رائے کا احترام، صرف ایسے مسائل میں ہے جو یا تو قرآن و سنت میں صراحتاً مذکور نہیں، یا مذکور ہیں مگر ایسے اجمال و ابہام کے ساتھ کہ ان کی تشریح و تفسیر کے بغیر ان پر عمل نہیں ہو سکتا، یا دو آیتوں یا دو روایتوں میں بظاہر کچھ تعارض نظر آتا ہے۔ ان سب صورتوں میں مجتہد عالم کو قرآن و سنت کے نصوص میں مقدور بھر غور و فکر کر کے یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ اس کا منشا اور مفہوم کیا ہے اور اس سے کیا احکام نکلتے ہیں؟ اس صورت میں ممکن ہے کہ ایک عالم مجتہد، اصول اجتہاد کے مطابق قرآن و سنت اور تعامل صحابہ وغیرہ میں غور کر کے، اس نتیجہ پر پہنچے کہ فلاں کام جائز ہے، اور دوسرا عالم مجتہد، انھی اصولوں میں پورا غور و فکر کر کے، اس کے ناجائز ہونے کو صحیح سمجھے۔ ایسی صورت میں یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر و ثواب کے مستحق ہیں، کسی پر کوئی عتاب نہیں۔ جس کی رائے اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح ہے، اس کو دوہرا اجر و ثواب اور جس کی صحیح نہیں، اس کو ایک اجر ملے گا۔ اسی سے بعض اہل علم کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اجتہادی اختلافات میں دونوں متضاد قول، حق و صحیح ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام احکام

عبادات و معاملات سے بے نیاز ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا مقصود کوئی خاص کام نہیں ' بلکہ بندوں کی اطاعت شعاری کا امتحان ہے ۔ جب دونوں نے اپنی اپنی غور و فکر اور قوت اجتہاد ' شرائط کے ساتھ خرچ کر لی تو دونوں اپنا فرض ادا کر چکے ' دونوں صحیح جواب ہیں ۔

ایک اہم واقعہ

یہاں ایک اہم واقعہ بھی آپ کے گوش گزار کروں ' جو اہم بھی ہے اور عبرت خیز بھی ۔

قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا ' اور سیدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے ۔ ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے ' میں بھی آپ کے ساتھ تھا ۔ ایک صبح نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں ۔ میں نے پوچھا: حضرت کیسا مزاج ہے ؟ کہا: ہاں ٹھیک ہی ہے میاں ' مزاج کیا پوچھتے ہو ' عمر ضائع کر دی !

میں نے عرض کیا: حضرت ' آپ کی ساری عمر ' علم کی خدمت میں ' دین کی اشاعت میں گزری ہے ' ہزاروں آپ کے شاگرد علما ہیں ' مشاہیر ہیں ' جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں ' آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی ۔

فرمایا: میں تمھیں صحیح کہتا ہوں ' عمر ضائع کر دی !

میں نے عرض کیا: حضرت بات کیا ہے ؟

فرمایا: ہماری عمر کا ' ہماری تقریروں کا ' ہماری ساری کد و کاش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں ' امام ابو حنیفہ ؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے آئمہ کے مسلکوں پر آپ کے مسلک کی ترجیح ثابت کریں ۔ یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا ' تقریروں کا اور علمی زندگی کا ۔ اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی ؟ ابو حنیفہ ؒ ہماری ترجیح کے محتاج نہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں ۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے ' وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا ' وہ ہمارے محتاج نہیں ۔

فرمایا: اور ' امام شافعی ؒ ' مالک ؒ اور احمد بن حنبل ؒ اور دوسرے مسالک کے فقہا جن کے مقابلے میں ہم یہ ترجیح قائم کرتے آئے ہیں کیا حاصل ہے اس کا ؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو "صواب محتمل الخطاء" (درست مسلک جس میں خطا کا احتمال موجود ہے) ثابت کر دیں ' اور دوسرے کے مسلک کو "خطاء محتمل الصواب (غلط مسلک جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے) کہیں اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں ' ان تمام بحثوں ' تدقیقات اور تحقیقات کا جن میں ہم مصروف ہیں ۔

پھر فرمایا: ارے میاں، اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کون سا خطا۔ اجتہادی مسائل کا فیصلہ بھی دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں ہم، تمام تر تحقیق و کاوش کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح ہے اور وہ بھی صحیح، یا یہ کہ یہ صحیح ہے لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطا ہو، اور وہ خطا ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو۔ دنیا میں تو یہ ہے۔ قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا، آمین بالجہر حق تھی یا بالسر حق تھی۔ برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔

حضرت شاہ صاحب کے الفاظ یہ تھے: اللہ تعالیٰ شافعیؒ کو رسوا کرے گا نہ ابو حنیفہؒ کو، نہ مالکؒ کو نہ احمد بن حنبلؒ کو۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے، جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے، جنھوں نے نور ہدایت چار سو پھیلایا ہے، جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں، اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا کہ وہاں میدان محشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابو حنیفہ نے صحیح کہا تھا یا شافعی نے غلط کہا تھا، یا اس کے برعکس۔۔۔ یہ نہیں ہو گا۔ [چونکہ جب رب کریم نے دنیا میں مجتہد کو غلطی کے باوجود، ایک ثواب سے نوازا ہے، اور ان کی غلطی پر پردہ ڈالا ہے، تو اس کی رحمت سے بعید ہے کہ حشر میں ان میں سے کسی کی غلطی کا اعلان کر کے اسے رسوا کرے]۔

فرمایا: جس چیز کو نہ دنیا میں کہیں ٹھکرنا ہے، نہ برزخ میں، نہ محشر میں، اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی، اپنی قوت صرف کر دی۔ اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی جس پر سب کا اجماع تھا، اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے، اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیاکرام علیہم السلام لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا، اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی، یہ ضروریات دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں۔ اپنے اور اغیار ان کے چہرے کو مسخ کر رہے ہیں، اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہیے تھا، وہ پھیل رہے ہیں، گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آ رہا ہے، شرک و بت پرستی چل رہی ہے، حرام و حلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے لیکن ہم لگے ہوئے ہیں، ان فرعی و فروعی بحثوں میں۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی"۔

آرا میں تضاد کا مسئلہ

ایسے اختلاف کے متعلق، جس میں صحابہ کرامؓ کی دو رائیں ہوں، امام ابو حنیفہ نے فرمایا: متضاد

اقوال میں سے ایک خطا ہے، مگر اس خطا کا گناہ معاف کر دیا گیا ہے۔ (جامع بیان العلم، ج ۲، ص ۸۳)

امام مالکؒ سے صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلافات کے متعلق سوال کیا گیا، تو فرمایا: ان میں بعض خطا ہیں بعض صواب و صحیح، تو عمل کرنے والے کو اجتہاد کو غور کر کے کوئی جانب متعین کرنا چاہیے۔ (ایضاً)

امام مالکؒ نے یہاں یہ واضح کر دیا کہ: اختلاف اجتہاد میں ایک جانب صحیح اور دوسری جانب خطا ہوتی ہے، دونوں متضاد چیزیں صواب نہیں ہوتیں۔ ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: اس اختلاف والوں میں باہم جھگڑا اور جدال جائز نہیں۔ صرف اتنا کافی ہے کہ جس کو خطا پر سمجھتا ہے، اس کو نرمی اور خیر خواہی سے خطا پر متنبہ کر دے۔ پھر وہ قبول کرے تو بہتر، ورنہ سکوت کرے، جدال اور جھگڑا یا بدگوئی نہ کرے۔ امام مالک فرماتے تھے: علم میں جھگڑا اور جدال، نور علم کو انسان کے قلب سے نکال دیتا ہے۔ کسی نے عرض کیا: ایک شخص جس کو سنت کا علم حاصل ہے، کیا وہ حفاظت سنت کے لیے جدال کر سکتا ہے؟ فرمایا: نہیں، اس کو چاہیے کہ مخاطب کو صحیح بات سے آگاہ کر دے، پھر وہ قبول کرے تو بہتر ہے، ورنہ سکوت اختیار کرے۔ نزاع و جدال سے پرہیز کرے۔ (اوجز المسالک، شرح موطا مالک، ج ۱، ص ۱۵)

محمد بن عبدالرحمٰن صیرفیؒ نے امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا کہ جب کسی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ باہم مختلف ہوں تو کیا ہمارے لیے یہ جائز ہے کہ ہم ان میں غور و فکر کر کے یہ فیصلہ کریں کہ ان میں صحیح کس کا قول ہے؟ فرمایا: رسول اللہؐ کے صحابہؓ کے اختلاف میں لوگوں کو نقد و نظر نہ کرنا چاہیے۔ صیرفیؒ نے کہا کہ پھر عمل کس کے قول پر اور کس طرح کریں؟ امام احمد نے فرمایا: ان میں سے جس کا جی چاہے اتباع کر لو۔ (جامع بیان العلم، ج ۲، ص ۸۳)

گویا امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا مسلک تو یہ ہوا کہ جب صحابہ کرامؓ کا باہم کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو بعد کے فقہا کو چاہیے کہ دلائل میں غور کر کے، جس کا قول سنت سے زیادہ قریب تر سمجھیں اس کو اختیار کر لیں۔ امام احمد کے نزدیک اس کی بھی ضرورت نہیں، دونوں طرف صحابہؓ ہیں تو جس کا قول چاہیں، اختیار کر سکتے ہیں۔

امام شافعیؒ کے ایک مفصل کلام کو نقل کر کے ابن عبدالبر نے فرمایا: امام شافعی کے اس کلام میں اس کی دلیل موجود ہے کہ مجتہدین میں کوئی دوسرے کو یہ نہ کہے کہ آپ غلطی اور خطا پر ہیں۔ (جامع بیان العلم، ج ۲، ص ۷۳)۔ وجہ یہ ہے کہ ایسے اجتہادی مسائل میں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے قول کو یقینی طور پر صواب و صحیح اور دوسرے کے قول کو یقینی طور پر خطا و غلط کہہ سکے۔ اجتہاد اور

پورے غور و فکر کے بعد جو رائے اس نے قائم کی ہے، اس کے متعلق اس سے زیادہ کہنے کا کسی کو حق نہیں کہ رائے صحیح و صواب ہے، مگر احتمال خطا اور غلطی کا بھی ہے، اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے کا قول صحیح و صواب ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ اجتہادی اختلافات میں جمہور علما کے نزدیک علم الٰہی کے اعتبار سے دو مختلف آرا میں سے حق تو کوئی ایک ہی ہوتی ہے، مگر اس کا متعین کرنا کہ ان میں سے حق کیا ہے؟ اس کا یقینی ذریعہ کسی کے پاس نہیں۔ دونوں طرف خطا و صواب کا احتمال موجود ہے۔ مجتہد اپنے غور و فکر سے کسی ایک جانب کو راجح قرار دے کر عمل کے لیے اختیار کر لیتا ہے۔

جن مسائل میں صحابہؓ و تابعینؒ اور آئمہ مجتہدینؒ کا نظری اختلاف ہوتا ہے، ان کا قطعی فیصلہ نہ یہاں ہو گا، نہ آخرت میں۔ اس لیے عمل کرنے والوں کے لیے ان میں سے ہر ایک کی رائے پر اپنی ترجیح کے مطابق عمل کر لینا جائز قرار دے دیا گیا ہے۔ ان مسائل میں کوئی عالم کتنی ہی تحقیقات کرے، یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کی تحقیق کو یقینی حق و صواب کہا جائے اور اس کے مقابل کو باطل قرار دیا جائے۔ حافظ شمس الدینؒ ذہبی نے فرمایا ہے کہ جس مسئلہ میں صحابہؓ و تابعینؒ کا اختلاف ہو گیا وہ اختلاف قیامت تک مٹایا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ اس اختلاف کے مٹانے کی ایک ہی صورت ہے کہ ان میں سے کسی ایک گروہ کو قطعی طور پر حق پر اور دوسرے کو یقینی باطل قرار دیا جائے، اور یہ ممکن نہیں ہے۔

ان تصریحات سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس مسئلہ میں صحابہؓ و تابعینؒ اور آئمہ مجتہدین کا اختلاف ہو، اس کی کوئی جانب شرعی حیثیت سے منکر نہیں کہلائے گی، کیونکہ دونوں آرا کی بنیاد قرآن و سنت اور ان کے مسلمہ اصول پر ہے، اس لیے دونوں جانب داخل معروف ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح کہا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحینؒ کا بے شمار مسائل میں جواز و عدم جواز اور حرمت و حلت کا اختلاف ہونے کے باوجود کہیں منقول نہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے پر اس طرح نکیر کرتا ہو جیسے منکرات پر کی جاتی ہے، ایک دوسرے کو یا اس کے متبعین کو گمراہی یا فسق و فجور کی طرف منسوب کرتا ہو، یا اس کو ارتکاب حرام کا مجرم قرار دیتا ہو۔

اس ماہ کے اشارات: لبنان: شہنشاہ اور قزاق کی کہانی از خرم مراد کے ری پرنٹس تقسیم عام کے لیے -/100 روپے سیکڑہ حاصل کیجیے:

منشورات۔ منصورہ لاہور 54570 فیکس: 042-7832194